اقبال اور تصوف

ڈاکٹر علی احمد ادریسی

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی (دہلی)

Abstract

Iqbal's relationship with mysticism was complex, marked by both appreciation and critique. While he acknowledged the importance of mystical experience, he also cautioned against interpretations that led to passivity or detachment from worldly affairs. He saw mysticism as a way to access a deeper reality, but also emphasized the need for an active life and engagement with the world. Iqbal believed that mystical experience allowed individuals to connect with a "non-serial time reality," a deeper level of understanding beyond the ordinary. While valuing mystical insight, Iqbal emphasized the importance of the "ego" or "self" in achieving spiritual growth. He believed that spiritual development should not come at the expense of active participation in the world. Iqbal was critical of what he saw as a "quietist" or passive form of mysticism that emphasized detachment from worldly affairs. He argued that this view was not in line with the spirit of Islam, which calls for action and responsibility. Iqbal rejected the concept of "annihilation" in the mystical experience, as well as pantheistic views that identified God

with the universe. Iqbal's thought was deeply influenced by the Sufi poet Rumi, who emphasized the importance of both mystical experience and active engagement with the world.

in this very short article would like to explore the concept of Iqbal regarding mysticism.

کلیدی الفاظ

Quietist,Annihilation,Ego,امہات الکتب،تساہل، مسلمات،ابدیت، عمیق، عین الیقین،

اقبال کی شاعری میں تصوف انتہائی اہم عنصر ہے۔اقبال کی شاعری میں جو رمزیت اور ماورائی کیف ہے اس میں تصوف کا خاص دخل ہے۔ جنوں،وجود، خرد، عشق جیسے الفاظ اقبال کے یہاں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لفظیات جب قاری کے ذہن میں آتے ہیں تو ان کا حسن اور معنویت اس کے حسی ادراک کو متغیر کر دیتا ہے۔اقبال اخوت، مساوات عزت نفس، خدا ترسی، امن وعافیت، فلاح ونجات، انسانیت کی بلندی اور اقدار انسانی کی معراج ورفعت ہیں۔اور ان سب کا سر چشمہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آئین محمد عربی یعنی دین اسلام ہے۔اقبال کی زندہ جاوید فکر میں سے ایک ان کا نظریہ تصوف ہے۔اسلامی تصوف کے دو پہلو ہیں ایک نظری اور ایک عملی۔ تصوف عملی در حقیقت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی خلوص کے ساتھ پیروی کا نام ہے اور تصوف نظری دراصل نہ صرف توحید پر صدق دل سے ایمان لانے، بلکہ علم الیقین کے ساتھ ساتھ عین الیقین اور حق الیقین بھی حاصل کرنے کی صورت ہے۔ عملی تصوف ایک لحاظ سے حضور کی حیات مبارکہ کے ظاہری پہلو یعنی نبوت سے متعلق ہے اور نظری تصوف آپ کی نبوت اقدس کے معنوی پہلو یعنی ولایت سے وابستہ ہے۔ تصوف کا ایک رخ مکہ اور مدینہ منورہ کے اس در یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم سے وابستہ ہے جسے دشمن بھی صادق وامین کہتے تھے اور تصوف کا دوسرا رخ غار حرا کا وہ خلوت ہے جس کی حقیقت کا آئینہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم "لولاک لما خلقت الافلاک" سے ضیا حاصل کرتا ہے غار حرا کی اس خلوت نشینی کے متعلق اقبال کہتے ہیں۔

مصطفی اندر حرا خلوت گزید

مدتی جز خویشتن کس را ندید

مزید فرمایا

در شبستان حرا خلوت گزید

قوم و آئین و حکومت آفرید

میرا مضمون اقبال کے نظریہ تصوف کی حمایت میں ہے۔ اقبال نے حافظ کی شاعری کے چند پہلوؤں پر تنقید کی تھی اس کا سہارا لے کر اقبال کے نظریہ تصوف کے بارے میں شد و مد سے غلط فہمیاں پھیلائی گئیں اور انہیں تصوف کا مخالف مشہور کیا گیا۔ حالانکہ اقبال کس تصوف کے مخالف تھے اور کس تصوف کے موافق یہ ایک الگ بحث ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج اقبال کا جانشین وہ طبقہ بن بیٹھا ہے جسے اقبال کے سوز و گداز، عشق نبوی اور اسلام کی انانیت و ابدیت پر یقین سے کوئی نسبت نہیں۔ جس کے نزدیک مغرب کی نقالی ہی ترقی کی معراج ہے جو تصوف تو کیا اسلام اور اسلامی اقدار و روایات ہی سے باغی ہے اقبال کے وہ چند اشعار جو انہوں نے علماء سو یا جاہل صوفیا و ملا کے متعلق کہے ہیں ان کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈ کیا گیا ہے کہ اقبال تصوف کے مخالفین میں سے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ اقبال کا نقطہ نظر بلد کم و کاست وہی ہے جو ہر دور میں علماء محققین اور اسلام کی بالغہ اور جلیل القدر ہستیوں کا رہا ہے اور اس میں انتہائی توازن و اعتدال ہے۔ مکتوبات اقبال کی روشنی میں ان کے نظریہ تصوف کو سمجھنے میں آسانی ہو گی لکھتے ہیں۔

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائر فقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہوں اور اس پر اعتراض کرنے کو بد بختی کے مترادف سمجھتا ہے۔''

شاہ سلیمان پھلواری شریف کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''حقیقی تصوف کا میں کیوں کر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں میں نے تصوف کو کرات سے دیکھا ہے بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیے ہیں۔ جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ کہ مخالف''۔

سید نذیر نیازی کے نام مزید فرمایا۔

''اسلام کو فطرت کے طور پر ریلیز (Realize) کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض ہے کہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے''۔ ظفر احمد صدیقی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں کے ساتھ محسوس کرنے کا نام طریقت ہے جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائے کہ خودی کے پرائیویٹ اعمال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصد ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے بعض نے اس کا نام بقا رکھا ہے۔ لیکن ہندی و ایرانی صوفیا جن سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر وہدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدے کی رو سے یہ تقسیم بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اس تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں''۔

اقبال نے متعدد جگہ بصراحت اس کی تکرار کی ہے کہ وہ کس تصوف کے خلاف ہیں در حقیقت تصوف میں جو عجمی اثرات ہیں خواہ وہ ہندی وہدانت کے ہوں، بدھ مت یا عیسائیت کے، یونانی اشراقیت کی ہوں یا ایرانی یا ان لایعنی فلسفوں کے جن میں ایران صدیوں تک مشغول رہا اور جس کی وجہ سے قدیم عربی لٹریچر میں ایران پر خاص طور پر عجم کا اطلاق ہوتا ہے۔ غرض ہر وہ چیز جو باہر سے در آمد کی جائے یا جمود کی طرف لے جائے یا جس میں شریعت و طریقت کی دوئی یا باطنیت کا شائبہ پایا جائے اقبال کی طبیعت اس سے ابا کرتی ہے اور وہ اس کے خلاف احتجاج بلکہ جہاد اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں بعض اہل طریقت یا اہل تصوف شریعت کے علم کو ظاہری علم اور تصوف و طریقت کے علم کو باطنی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک علم باطن علم ظاہر سے زیادہ عمیق واہم ہے۔ اقبال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل پیغام کو قرآن و سنت میں محفوظ خیال کرتے ہیں۔ علم مخفی یا علم باطن کے عقیدے کو ختم نبوت اور قرآنی ہدایت کی تکمیل کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ سنجیدہ عقیدہ ہے کہ خدا کے اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پورا پیغام مسلمانوں کو پہنچا دیا تھا اس لیے وہ کسی مخفی علم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا قرآنی اعلان کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ وہ شریعت و طریقت کو ایک ہی حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وحدت الوجود کے متعلق ایک جگہ اقبال رقم طراز ہیں۔

ہمہ اوست مذہبی مسئلہ نہیں ہے فلسفہ کا مسئلہ ہے وحدت و کثرت کی بحث سے اسلام کو کوئی سروکار نہیں۔ اسلام کی روح توحید ہے اور اس کی ضد کثرت بلکہ شرک ہے۔ وہ فلسفہ و مذہبی تعلیم جو انسان کی شخصیت کی نشو و نما کے منافی ہو بے کار چیز ہے۔ خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں۔ رہبانیت عیسائی مذہب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر قوم میں پیدا ہوئی ہے اور ہر جگہ اس نے قانون اور شریعت کا مقابلہ کیا ہے اور اس کے اثرات کو کم کرنا چاہا ہے۔ اسلام در حقیقت اسی رہبانیت کے خلاف صدائے احتجاج ہے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کہ فخر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری

ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی

یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیر

اقبال ہمیشہ ان علمائے حق اور صوفیائے عظام کے بڑے مداح اور دل سے قدر دان رہے جنہوں نے تصوف کو شریعت کی حدود میں رکھا ایسے علماء و بزرگان دین سے بصد ادب ملتے اور ان کے مزارات پر بصد شوق و ادب حاضری دیتے ان کے کارناموں سے مسلمانوں کے دلوں کو گرماتے اپنے مرشد مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن

اسی کے فیض سے ہے میرے سبو میں جیحوں

اعلی تعلیم کے لیے یورپ جانے سے قبل حضرت محبوب الٰہی کے حضور حاضری کا شرف حاصل کیا اور چند اشعار پڑھے جو التجائے مسافر کے نام سے مشہور ہیں۔

فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں

تیری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو

اقبال نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار گوہر بار پر متعدد بار حاضری کا شرف حاصل کیا ہے آخری سفر سرہند کا انہوں نے 1933 میں کیا اور امام ربانی کی خدمت میں عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کیا جس کی کیفیت چند اشعار کی شکل میں اس طرح ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں

اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کلام اقبال میں متعدد بار بایزید بسطامی، امام غزالی، عطار، تبریز، منصور، جنید بغدادی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، خواجہ اجمیری جن کو اقبال پیر سنجر کہتے ہیں۔ امام بخش علی ہجویری، فریدالدین گنج شکر، امیر خسرو، حضرت بو علی قلندر، شیخ فخرالدین عراقی، حضرت جامی، شیخ رازی کا ذکر نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ آیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال ان سے کسب فیض حاصل کر رہے ہیں۔ اپنے مرشد رومی کے متعلق فرماتے ہیں۔

پیر رومی خاک را اکسیر کرد

از غبارم جلوہا تعمیر کرد

اقبال کے نزدیک شخصیت میں کیمیا گیری کسی کامل کے آستانے پر بوسہ دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے

بوسہ زن بر آستان کاملے

ایک جگہ خود کو رومی اور تبریز کا رمز شناس بتاتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی

برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

اقبال کے نزدیک متعلقات تصوف یہ ہے جو انہوں نے اکبر الہ آبادی کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔''

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال کے تفکیری نظام میں بشمول شاعری میں تصوف انتہائی اہم عنصر ہے۔ اقبال کی شاعری میں جو رمزیت اور ماورائی کیف ہے اس میں تصوف کا خاص دخل ہے۔ جنوں، وجود، خرد، عشق کے الفاظ اقبال کے یہاں متعدد مرتبہ استعمال کئے گئے ہیں۔ دوران قرأت ان کا حسن و معنی ہمیں ایک نئے جہان کی جانب متوجہ کراتا ہے۔ اور ہم ان لفظیات کی سحر میں محو ہو جاتے ہیں آپ غور کیجئے تو یہ الگ احساسِ حسن اقبال نے تصوف سے پیدا کیا ہے۔ اگر کہیں پورا پورا تصوف نہیں تو کم از کم اس کی اصطلاحات ہیں اصطلاحات نہیں تو اسلوب ہے اسلوب بھی نہیں تو تصوف کی گرمی جا بجا نظر آئے گی۔ نظم ''شکوہ'' صاف تصوف کی جرات مجذوبانہ اور ہمت رندانہ کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے اس میں لفظ ''ہر جائی' اردو میں بیوفا کے لئے مستعمل ہے اور یہ اس لفظ کی امتیازی شان بھی ہے اقبال نے رب کے حضور میں عرض کر ڈالا ''بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جائی ہے'' اسے ہم منصور حلاج کی طریقت نہ کہیں تو کیا کہیں۔ منصور کے اعتراف میں اقبال کا یہ شعر ہمارے پیش نظر ہونا چاہیے۔

خود گیری و خودداری و گل بانگ ''انا الحق'

ازاد ہو سالک تو یہ ہیں اس کے مقامات

ایک اور جگہ مذید فرمایا

کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے

تری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

تصوف کے خلاف کلام اقبال میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اقبال نے تصوف پر جا بجا طنز کیا ہے لیکن اس طنز کی نوعیت تردید کی نہیں تنبیہ کی ہے جسے ہم عرف عام میں محبوبانہ تنبیہ کہ سکتے ہیں۔ کلام اقبال میں صرف تصوف پر ہی طنز نہیں ہے بلکہ اور بھی چیزوں پر ہے جو ثوابت اور مسلمات کے حکم میں ہیں۔ تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتان عجم کے پجاری تمام۔

اقبال اس تصوف کے خلاف تھے جو راہبانیت اور ترکِ دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔ کاہلی، تساہل، بے عملی یا نشے کا عادی بنا کر لوگوں کو خود فراموشی کا شکار بنا دیتا ہے۔

کیونکہ اقبال سمجھتے تھے کہ مذہب انسان کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون پیدا کرتا ہے اور انسانی خودی کو بام عروج تک پہنچاتا ہے۔ انسان کے باطن کو منور کر کے اسے ایک باعمل اور بہتر انسان بناتا ہے۔ بقول اقبال دین وہ شعلہ ہے جو باطل کے ہر نظام کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ اس لئے جو تصوف انسان کو بے عمل بنا دے یا احوال کی مستی میں گم کر دے وہ خلافِ دین ہے۔ اسی

طرح اقبال ایسی پیری مریدی کے خلاف تھے جو محض دکانداری، تجارت اور لوٹ مار کا ذریعہ ہے۔ایسی پیری مریدی جس میں پیر کا گھر قمقموں سے روشن ہو

اور مرید دیئے کی روشنی کو ترستا ہو۔ورنہ روحانیت کے سنجیدہ اور تصوف کے اکابرین صوفیا کو وہ بے انتہا قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے معترف تھے نیز ان کا ایقان تھا کہ ''پیر یا مرشد کی سخت ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر انسان صحیح اور کامل راستہ نہیں دیکھ سکتا۔''ساقی نامہ''پورا کا پورا تصوف اور فلسفہ کی زمین سے نکلا ہے اسلوب، الفاظ، بیان کی گرمی اور گہرائی سب تصوف اور فلسفہ سے کشید ہیں۔ملاحظہ ہوں

کسے خبر کہ سفینے ڈبو گئی کتنے

فقیہ وصوفی وشاعر کی ناخوش اندیشی

قلندر جزدو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا

فقیہ شہر قاروں ہے لغت ھائے حجازی کا

غور کیجئے تو اندازہ ہو گا کہ ساری تنبیہات محبوبانہ ہیں ورنہ اقبال نے شاعر ہونے کے باوجود شعراء کی بھی نفی کی ہے۔اقبال نے خانقاہی تصوف کی تردید کی ہے لیکن میدانی تصوف کے قائل ہیں اور یہ نظریہ ان کے افکار عالیہ میں ابتدا تا آخر موجود ہے۔تصوف کی تین جہات ہیں۔تصوف کا ایک پہلو تعمیر اخلاق ہے یعنی تصوف کا مقصود انسانی شخصیت میں اخلاقی اوصاف و محاسن پیدا کرنا ہے۔جیسا کہ تصوف کی امہات الکتب اور صوفیہ کی تعلیمات سے ظاہر ہے۔دوسری جہت میں تصوف ماورائے حواس حقائق کے مشاہدے کا وہ منہج ہے جس کے ذریعے وہ دینی حقائق جو عام آدمی کے لیے صرف معلومات کی حیثیت رکھتے ہیں صوفی کے لیے مشاہدہ بن جاتے ہیں۔یہ وہی جہت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا روم فرماتے ہیں کہ عالم اور دانش ور آثار قلم پر سفر کرتا ہے جبکہ صوفی اور صاحب حال آثار قدم سے رہنمائی لے کر سفر کرتا ہے۔تصوف کی تیسری جہت وہ ہے جہاں یہ ایک نظام فکر اور تعبیر کائنات کے ایک اصول کے طور پر سامنے آتا ہے۔ترک دنیا کی تعلیم دینے والے صوفی کی اقبال نظام فکر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔وہ خود اپنے لئے اشارے میں صوفیت کو پسند کرتے ہیں۔

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی

کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

''قید مقام'' سے گزرنے میں جو حدّت اور تیزی ہے وہ آشنائے تصوف ہی محسوس کر سکتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ یہاں بھی محسوس نہیں کر پاتے۔

تو ابھی رہ گزر میں ہے "قید مقام" سے گزر

مصر و حجاز سے گزر پارس و شام سے گزر

علم کی تحقیر اور عشق کی تفضیل صوفیاء کا خاص نظریہ ہے۔ اقبال نے کس قدر حکیمانہ بات کی ہے۔

عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب

علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب

علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

ابن الکتاب میں جو تندی ہے اور ام الکتاب میں جو تقدیس ہے اہل نظر محسوس کر سکتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری، مولانا روم کی رہنمائی میں روحانی سفر جو جاوید نامہ کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے صوفیہ کے ساتھ اقبال کے تعلق کا بین ثبوت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس تصوف کی علامہ بات کر رہے ہیں اور جو آج کے ذہن کے لیے اور آج کے دور کے لیے مذہبی تجربے کو یقینی بنائے اس کی صورت کیا ہو۔ یہاں ہمیں ایک ایسے التباس اور مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے گزرے بغیر ہم اس عقدے کو حل نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے اقبال کی تمنا بھی ہے، آرزو بھی ہے، اقبال کا دیا ہوا معیار بھی ہے اور وہ امکان بھی کہ جس کے ذریعے سے ہم اقبال کی آرزو کو تصوف کا جدید منہج وضع کرتے ہوئے پورا کر سکتے ہیں۔

وہ منہج جو اقبال کی آرزو کو پورا کرنے کا باعث بھی ہو، آج کے دور کے سوالات کا جواب بھی ہو اور ہماری زندگی میں اکابر صوفیہ کی تعلیمات کی تاثیر بھی پیدا کرے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ دین کے بنیادی تصورات اور معتقدات پر ہمارا ایسا یقین پیدا کر دے کہ حقائق محسوس اور حقائقِ غیر محسوس دونوں ہماری زندگی میں یکساں حیثیت کی حقیقتیں بن جائیں، جیسا کہ علامہ بانگ درا میں فرماتے ہیں.

تعلیمِ پیرِ فلسفہ مغربی ہے یہ ناداں

ہیں جن کو ہستیِ غائب کی ہے تلاش

ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب ''زندہ رُود'' جو علامہ اقبال کی مستند سوانح عمری ہے کے مطابق اقبال اپنے محبوب صوفیا کے مزاروں پر اکثر حاضری دیتے تھے۔

بعض بزرگ ہستیوں اور مجذوبوں کے متعلق سن کر وہ ملاقات کے شوق میں ان کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہے۔ لاہور کے قریب شرق پور کے بزرگ میاں شیر محمد کے متعلق سنا تو ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔ میاں شیر محمد صاحب نے علامہ کے لئے دعا کی اور علامہ مسرور و مطمئن واپس لوٹے۔ بقول جاوید اقبال بہر حال اقبال کے اہل دل مشائخ سے ملاقات کے شوق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی کی تلاش میں تھے جو اُن پر ایک ہی نگاہ ڈال کر ان کی روحانی تکمیل کر دے جیسے خواجہ باقی باللہ نے شیخ احمد سرہندی کو خلوت میں لے جا کر ذکر قلبی کی تلقین کی تھی اور اسی وقت ان کا قلب جاری ہو گیا تھا۔ (صفحہ 344)

امر واقعہ یہ ہے کہ اقبال نے اپنے افکار عالیہ کے ابلاغ و تشریح کے لیے بھی تصوف کو ایک وسیلہ اور ذریعہ بنایا۔ تصوف کی اکثر لفظیات ہمیں اقبال کے کلام اور شاعری نیز خطبات میں نظر آتی ہیں۔ بال جبریل کی متعدد غزلیں اس کی شاہد ہیں ان کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جن کی توضیح و تشریح کے لیے ہمیں تصوف کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے انہوں نے اپنی بنیادی اقدار بھی تصوف سے ہی اخذ کیا اور اس کے پردے میں اعلیٰ افکار پیش کیے ہیں۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود

فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

تصوف کے ضمن میں اقبال کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اس کو دینی حقائق سے آگئی اور شناسائی کا ایک وسیلہ قرار دیا ہے۔ خطبات اقبال ان کے تفکیری نظام کا نچوڑ ہے۔ Reconstructions religious thought in islam میں ان کے فلسفیانہ افکار ہمیں ایک ایسی منظم صورت میں ملتے ہیں جو فرد کی انفرادی اور قوم کی اجتماعی اور تہذیبی زندگی کا احاطہ کرتی ہیں اقبال نے کم سے کم دو خطبات کا موضوع مذہبی تجربہ یا اس کے متعلقات کو بنایا ہے۔ مذہبی تجربہ تصوف کے بغیر ایک امر محال ہے۔ خطبات کے دیباچے میں اقبال لکھتے ہیں کہ اس میں شبہ نہیں کہ تصوف کے صحیح مکاتب نے اسلام میں مذہبی تجربے کے ارتقا کی سمت کو درست کرنے اور اس کی صورت گری کے سلسلے میں نمایاں کام کیا ہے مگر ان مکاتب کے بعد کے دور کے نمائندے جدید ذہن سے لاعلم ہونے کی بنا پر اس قابل نہیں رہے کہ نئے فکر اور تجربے سے کسی قسم کی تازہ تخلیقی تحریک بنا سکیں۔ وہ انہیں طریقوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو ان لوگوں کے لئے وضع کیے گئے تھے جن کا ثقافتی نقطہ نظر کئی لحاظ سے ہمارے نقطہ نظر سے مختلف تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ ''تمہاری تخلیق اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا

جانا ایک نفس واحد کی تخلیق و بعثت کی طرح ہے'' حیاتیاتی وحدت کا زندہ تجربہ جو اس آیت میں بیان ہوا ہے آج ایسے منہاج کا تقاضہ کرتا ہے جو موجودہ دور کے ٹھوس ذہن کے لیے عضویاتی طور پر کم شدت رکھتا ہو مگر نفسیاتی لحاظ سے زیادہ موزوں ہو۔

اقبال کے نزدیک انا الحق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں خدا ہوں بلکہ اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ انا ہی اصل چیز ہے بندہ اگر خدا میں گم ہو گیا تو اس نے اپنی ہستی مٹا دی۔ اقبال تشکیل کردار اور تعمیر ذات کی اس منزل کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں جس کی طرف صوفیا نے رہنمائی کی مگر اس کے لیے وہ طریق اختیار نہیں کرتے جو اکابر صوفیا کا طریق ہے۔ اگر اکابر صوفیہ کی تعلیمات کو دیکھیں تو یقیناوہ رہنمائی نظر آتی ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم آج کے دور کے تقاضوں کو مکمل کرنے کے لیے تصوف کا وہ منہج وضع کر سکتے ہیں جس کی ضرورت اقبال نے خطبات کے دیباچے میں بیان کی ہیں۔ اسی دیباچے میں اقبال لکھتے ہیں ''کہ جوں جوں علم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے نئے افق کھلتے چلے جاتے ہیں اس امر کا امکان ہے کہ شاید کتنے ہی دوسرے نظریات ان خطبات میں پیش کیے گئے خیالات سے بھی زیادہ محکم ہوں جو آئندہ ہمارے سامنے آتے رہیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم فکر انسانی کے ارتقا پر بڑی احتیاط سے نگاہ رکھیں اور اس کی جانب بے لاگ تنقیدی رویہ اپنائے رکھیں۔ ہمارے سامنے اقبال کی دیرینہ آرزو بھی یہی ہے اور قائم کردہ معیار بھی اور امکان بھی۔ جس کے ذریعہ ہم اقبال کی آرزو کو تصوف کا جدید منہج وضع کرتے ہوئے مکمل کر سکتے ہیں۔

وہ شارع عام جو اقبال کی آرزو کو تکمیلیت بخش دے آج کے دور کے سوالات کا جواب بھی ہو اور ہماری زندگی میں اکابر صوفیا کی تعلیمات کی تاثیر بھی پیدا کرے اور اس کے ساتھ ساتھ دین کے بنیادی تصورات اور معتقدات پر ہمارا ایسا یقین پیدا کر دے کہ حقائق محسوس اور حقائق غیر محسوس دونوں ہماری زندگی میں یکساں حیثیت کی حقیقتیں بن جائیں۔ مگر اس منزل کے حصول یابی کے لیے متقدمین اکابر صوفیا اور اقبال کے طریق کار میں تطبیق کے امکانات کو تلاش کرنا ہوگا کہ ان میں موجود تفاوت رفع ہو سکے۔

اس تفاوت کو رفع کیے بغیر مرد کامل کی تشکیل کی اس منزل تک رسائی کس طرح ممکن ہے جو حاصل تو طریق صوفیا کا ہے مگر اس کے لیے جو راستہ اختیار کیا جا رہا ہے وہ اکابر صوفیا کی طریق سے یکسر مختلف ہے۔

مختصر ا یہ کہ اقبال نے جس ماحول میں پرورش پائی اس پر تصوف کے گہرے اثرات تھے ان کے والد اور ان کے سکول کے استاد علامہ میر حسن بڑے صوفی بزرگ تھے۔ ابتداء میں اقبال نے جو کتابیں پڑھیں ان میں صوفیانہ تعلیمات بدرجہ اتم موجود تھیں جن میں کشف المحجوب اہم ہے اور کالج میں انہیں آرنلڈ جیسے استاد ملے جو تصوف کے رمز شناس تھے۔ اس وقت ہندوستان کے ماحول پر صوفیاء کرام چھائے ہوئے تھے اور مختلف سلسلوں کا چرچہ تھا۔ جب اقبال نے پی ایچ ڈی کے مقالے The development of Metaphysics کی تیاری کے سلسلے میں وسیع مطالعہ کیا تو انھیں تصوف کے نظام فکر کو سمجھنے

کا پورا موقع ملا ان تمام عوامل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ابتدائی نظموں میں وحدت الوجود کے فلسفے کے اثرات نظر آتے ہیں۔ چنانچہ بانگ درا میں متعدد اشعار اس کی غمازی کرتے ہیں

مزید مطالعہ اور غور و فکر نے انہیں مروّجہ تصوف کے ان عقائد سے واقف کر دیا جو ذوق عمل کو مردہ کرنے والے مہلک اثرات کے حامل تھے۔ اقبال تصوف کے خلاف نہیں بلکہ وہ ایسے تصوف کے خلاف ہیں جو قوم میں مردنی اور روح میں تشکیک کی فضا پیدا کر دے اور انسان عمل کی حکمتوں سے بے خبر ہو جائے۔ اگر اقبال تصوف کے خلاف ہوتے تو مولانا رومی کے معتقد و مرید نہ ہوتے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اقبال نے رومی کے حوالے سے غیر معمولی ارادت مندی و عقیدت مندی دکھاء ہے اور اس کا برملا اظہار بھی کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ بر عظیم میں اقبال نے رومی شناسی کو ایک نء جہت عطا کی ہے۔ لہذا رموزِ بے خودی جو ????ء میں شائع ہوئی اس کا آغاز اقبال نے رومی کے مشہور شعر سے کیا ہے۔

جہد کن، در بیخودی خود را بیاب

زود تر واللہ اعلم بالصواب

اقبال مولانا رومی کی طرح اثبات خودی کے معلم ہیں۔

اقبال کے وہ خطوط جو انہوں نے اپنے معاصر علما صوفیا کو لکھے ہیں اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ انھیں تصوف اور متعلقات تصوف سے کس قدر دلچسپی تھی۔ اس کے جملہ حقایق سے اشناء کے خواہاں تھے نیز اس کی اصل روح تک پہنچنا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اقبال نہ صرف اسلامی تصوف کے قائل ہیں بلکہ انہیں تصوف کے اسلامی روپ سے گہرا لگاؤ بھی ہے اور وہ اس بات کے معترف ہیں کہ اشاعت دین سے لے کر اقامت دین تک صوفیائے کرام بڑی اہمیت ہے۔ تصوف میں انسان اپنے باطن کی صفائی کر کے نیز اپنے نفس پر قابو پا کر قربِ حق حاصل کرتا ہے سالک اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن پر خاص توجہ دیتا ہے. عرف عام میں اس کو طریقت کہتے ہیں.

چنانچہ اقبال کی زندگی میں کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال خود تصوف اور روحانیات کی تلاش میں تھے اور عملی طور پر انھوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ان تمام واقعات کی تفصیلات فقیر سید وحید الدین کی غیر معمولی شہرت کی حامل تصنیف روزگار فقیر جلد اول و دوئم سے فراہم کی جاسکتی ہیں۔ اقبال خود بھی اس عمل سے گزر رہے تھے اور تزکیہ نفس کے مختلف مدارج سے گزرنے کے بعد ان پر وہ راز افشاں ہونے لگا جو ایک سالک پر راہ سلوک میں نزول ہوتا ہے۔ ایک بار اقبال پر نزول شعر کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ اشعار قلم بند کرتے رہے جب یہ کیفیت اختتام کو پہنچی تو وہ بالائی منزل پر جانے لگے کہ ایک سفید پوش طویل القامت درویش صورت بزرگ نظر آئے اور اقبال کے استفسار پر انھوں نے کہا کہ "پانچ سو

آدمی پیدا کرو" اور پھر غائب ہو گئے۔ یہ واقعہ جب اقبال نے اپنے والدِ محترم کو بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ اگر پانچ سو آدمی تیار نہیں کر سکتے تو پانچ سو اشعار کی کتاب لکھ دو۔ چنانچہ اقبال نے اپنی مشہور مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" لکھی جس میں پانچ سو سے زائد اشعار ہیں۔

تصوف اقبال کے خون میں شامل تھا اس لئے انھوں نے شاعری کو تصوف کے اظہار کا وسیلہ بنایا اور اس طرح انھیں ہم ایسا صوفی شاعر کہہ سکتے ہیں جنھوں نے شعر کو سلوک کا آئینہ دار بناتے ہوئے تصوف کے مختلف مسائل کے قضے کو حل کر دیا ہے۔

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کی نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حوالاجات

اقبال اور تصوف از پروفیسر محمد فرمان

اقبال اور مسلک تصوف از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی

Reconstruction of religious thought in Islam by Iqbal

Thoughts and Reflection of Iqbal by Syed Abdul Wahid

☆☆☆